ایران و عراق کی سیاحت

مولانا حافظ محمد اسمٰعیل، مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی

برسوں سے تمنا تھی کہ مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کی سیاحت کی جائے، جو اسلامی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کے منبع و مرکز رہے ہیں، اور جہاں اب بھی ان کے لازوال آثار موجود ہیں اور مسلمانوں کے دورِ اقبال کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ادھر دوستوں اور بزرگوں کی ترغیب نے مزید حوصلہ افزائی کی۔ اور میری اس سیاحت کو ایک علمی سفر قرار دے کر مجھے اس پر آمادہ کیا۔ آخر میں نے عزم صمیم کر لیا۔ محترم پیر حسام الدین راشدی صاحب کی کرم فرمائی سے اسٹیٹ بنک سے چالیس پونڈ کا زرِ مبادلہ مل گیا اور اس طرح سفر کی عملاً تیاری شروع ہو گئی۔

۱۷ مارچ سنہ ۶۵ء ۱۳ ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۴ھ بروز بدھ کراچی سے بذریعہ بولان میل کوئٹہ روانہ ہوا۔ سندھ کا سفر تو خوشگوار رہا لیکن جب سبی سے آگے چلے تو سردی میں اضافہ ہوتا گیا۔ گاڑی آب گم اسٹیشن پر پہنچی تو سردی کا یہ عالم تھا کہ دانت بھی بجنے لگے۔ جوں جوں کوئٹہ قریب آتا گیا سردی کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۸ مارچ کو کوئٹہ پہنچ گئے۔ اسٹیشن سے سیدھا مدرسہ مطلع العلوم بروری روڈ کا قصد کیا۔ مولانا عرض محمد صاحب مہتمم مدرسہ راولپنڈی تشریف لے گئے تھے۔ مدرسہ کے نائب مہتمم مولانا عبدالواحد صاحب نے بڑی خاطر تواضع کی۔ دو دن کوئٹہ میں ٹھہرے اور ۲۰ مارچ کو زاہدان جانے والی گاڑی پر سوار ہونے کے لئے اسٹیشن پہنچے۔ گاڑی مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ میں فرش پر بستر رکھ کر بیٹھ گیا۔ ایک صاحب جن کا نام نیّر اقبال تھا انہوں نے مجھے اپنے پاس سیٹ پر جگہ دی۔ شام کو ساڑھے چھ بجے احمدوال پہنچے۔ یہاں پولیس نے ہم سے پاسپورٹ لے لئے۔ ۲۱ مارچ ساڑھے سات بجے ہم نوک کنڈی پہنچ گئے۔ یہاں سامان چیک ہوا۔ اس دوران

ہلکی ہلکی بارش ہوتی رہی جس سے سردی اور بھی بڑھ گئی۔ گیارہ بجے گاڑی روانہ ہوئی اور چھ بجے شام میر جاوا پہنچی۔ جہاں ایرانی کسٹم ہے۔ مولانا عبدالعزیز صاحب سربازی نے زاہدان سے مولوی عبداللہ کو مجھے لینے کے لئے بھیجا تھا۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ وہ ٹرین میں میرے ساتھ ہی سوار ہو گئے۔

۲۲ مارچ کو صبح چار بجے ہم زاہدان پہنچے۔ اسٹیشن پر کوئی پلیٹ فارم نہیں اور نہ کوئی بتی ہے۔ مولوی عبداللہ میں اور مولوی لقمان حسین صاحب جو جامعہ ازھر پڑھنے جارہے تھے۔ نیز ایک کراچی کے اور صاحب ہم سب ٹیکسی میں سوار ہوئے اور محلہ بلوچاں میں مولانا عبدالعزیز صاحب کے مکان پر پہنچ گئے۔ مولانا صاحب باوجود بیمار ہونے کے دروازہ پر ملاقات کے لئے تشریف لائے۔

اسلام کے ظہور کے بعد مسلمانوں نے فارس فتح کیا اور تمام فارس حلقہ بگوش اسلام بن گیا۔ چنانچہ آتش پرستوں کا یہ مرکز اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ بن گیا جہاں لاتعداد یگانہ روزگار علماء و فضلا اپنے فیوض و برکات سے پورے عالم کو سرفراز کرتے رہے ۱۹۳۵ سے سرزمین فارس کا سرکاری نام ایران رکھدیا گیا۔ ایران کا اکثر حصہ پہاڑی ہے۔ ایران کی آبادی تقریباً دو کروڑ ہے جس میں نوے فیصدی آبادی شیعہ ہے۔ ۷۵ فیصد آبادی یا تو زراعت پیشہ ہے یا خانہ بدوش۔ ملک کا صرف تیسرا حصہ کاشت کاری کے قابل ہے اور پانی کی قلت ایک بہت بڑا مسئلہ ہے ایران کی اہم محصولات میں سے گندم۔ چاول اور پھلوں کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اب مصنوعات پر بھی توجہ دی جارہی ہے چنانچہ سیمنٹ اور شیشہ وغیرہ کی صنعتیں ترقی کر رہی ہیں ایران کی ثروت و دولتمندی حقیقتاً پٹرول کی رہین منت ہے۔ اس کو ایک ہیئت کنٹرول کرتی ہے جس کا نام کنسورٹیم ہے۔ ایران میں ابتدائی تعلیم مفت اور لازمی ہے لیکن چونکہ تعلیمی سہولتیں محدود ہیں اس کی وجہ سے ۷۵ فیصد آبادی غیر تعلیم یافتہ ہے۔

زاھدان

صبح نہانے کے لئے نکلے۔ زاھدان کے حمام نہایت عمدہ بنے ہوئے ہیں۔ جس حمام میں ہم گئے اس میں دو کمرے ایک کپڑے اتارنے کے لئے اور دوسرا نہانے کے لئے۔ دوسرا کمرہ پہلے سے بڑا تھا۔ اس میں ایک طرف چینی کا چبوترہ بنا ہوا تھا جس کے اوپر تین نل لگے ہوئے تھے۔ ایک نل ٹھنڈے پانی، دوسرا گرم پانی اور تیسرا نل خوشبودار پانی کے لئے تھا۔ ایک گرم و سرد پانی والا فوارہ بھی بازو میں لگا ہوا تھا۔ حمام کیا تھا شاہی محل کا شاہانہ حمام معلوم ہوتا تھا۔ پاکستان

میں کہیں بھی میں نے ایسے حمام نہیں دیکھے۔ نہانے کے بعد بازار کی سیر کو نکلے۔ زاھدان ایک چھوٹا سا شہر ہے کوئٹہ سے بھی چھوٹا۔ ایک ہی بازار ہے۔ عمارتیں کوئٹہ کی طرح سب تقریباً ایک منزلہ لیکن سڑکیں بہت صاف ستھری اور کشادہ ہیں۔ ٹریفک داہنی طرف چلتا ہے اور یہ پورے مشرق وسطیٰ میں ہے۔ رات کو سخت سردی اور دن میں قدرے گرمی محسوس ہوتی ہے یہاں ہوٹلوں میں چائے میں شکر نہیں ملاتے اور آپ کی فرمائش پر ملاکر لائیں گے تو نرخ دوگنا لیں گے دودھ سے عاری سیاہ کیچر جیسی تلخ چائے اور ایک پیالی میں شکر کی ٹکیاں آپ کے سامنے دھر دیں گے جسے آپ اگر چاہیں تو ایرانیوں کی طرح ایک ٹکیہ اٹھائیں اور اس کا ایک سرا چائے کے گلاس میں ہلکے سے ڈبوئیں اور پھر منہ میں رکھ لیں اس کے بعد گھونٹ گھونٹ کرکے تلخ چائے زہر مار کرلیں میں جتنا عرصہ ایران میں رہا میں نے حتی المقدور اس قسم کی چائے سے پرہیز کی۔

زاہدان کی وجہ تسمیہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے یہ بتلائی کہ پہلے زمانے میں افغانستان سے لوٹ مار کرنے کے بعد بلوچستانی ڈاکو یہاں منزل انداز ہوتے تھے جس کی وجہ سے اس کا نام دزدآب پڑ گیا۔ پھر ہندوستان سے سکھ آکر یہاں آباد ہونے لگے۔ چنانچہ جب موجودہ شاہ ایران کے والد پہلی مرتبہ یہاں آئے تو ہوائی اڈہ پر سکھ بھی استقبال کے لئے گئے۔ شاہ نے پوچھا یہ کونسی جگہ ہے مصاحبوں نے کہا کہ دزدآب۔ انہوں نے سکھوں کی ڈاڑھیاں دیکھ کر فرمایا نہیں بلکہ یہ تو ملک زاہداں ہے۔ اس طرح اس کا نام زاہدان نام پڑ گیا۔

زاہدان میں ایک پاکستانی مسافرخانہ بھی ہے، جس کے مالک غالباً ایرانی ہیں۔ ایک کشادہ صحن والی عمارت ہے صحن کے چاروں طرف قبر نما کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں جن کے اندر پہنچ کر آدمی تمام دنیا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ جب گاڑی آتی ہے تو بے شمار مسافر یہاں آکر ٹہرتے ہیں ایک بازار سا لگ جاتا ہے اور ہر طرف مختلف پاکستانی اشیاء کی خرید فروخت ہوتی رہتی ہے۔ شام کو پاکستانی قنصل خانہ گئے۔ معلوم ہوا کہ وہاں کوئی پاکستانی اخبار نہیں آتا۔ عصر کی نماز جامع مسجد اہل تسنن (جو بازار میں ہے) میں پڑھی لوگ ہمارے ساتھ بہت خوش اخلاقی سے پیش آتے رہے۔ ہم نے رات تک بازار میں سیر کی۔ اس کے بعد گھر لوٹ آئے۔ ہم ۲ مارچ کی صبح کو مولانا عبدالعزیز کے ساتھ ادارہ اطلاعات اور ریڈیو دیکھنے گئے۔ یہاں کی نشرگاہ شہر سے باہر ہے۔ اردو پروگرام کا سیکشن بھی دیکھا۔ اس وقت چھٹی تھی۔ یہ پروگرام رات کو نشر ہوتا ہے ایک گھنٹہ تک

اسٹوڈیو کے مختلف شعبوں کی سیر کرتے رہے۔ کہیں ڈرامے ریکارڈ ہو رہے تھے اور کسی جگہ گانے۔ مولانا عبدالعزیز صاحب نے اپنی تقریر ریکارڈ کروائی جو ہر بدھ کو نشر ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہم واپس روانہ ہوئے

مشہد ۴ مارچ کی شام کو پونے پانچ بجے ہماری بس زاہدان سے مشہد کی طرف روانہ ہوئی۔ میرے ساتھ مولوی لقمان حسین تھے جنہیں بیرجند جانا تھا۔ ۵ مارچ صبح سوا چار بجے بیرجند پہنچے جو بسوں کا بڑا جنکشن ہے۔ مولوی لقمان حسین یہاں سے ہم سے رخصت ہوگئے۔ پونے آٹھ بجے بس پھر روانہ ہوئی۔ تقریباً ہر سو کلومیٹر پر بس ٹھہرتی تھی تاکہ مسافر چائے وغیرہ پی کر تازہ دم ہو جائیں راستہ میں قائن۔ بیدخت اگنا آباد سے ہوتے ہوئے تربت حیدریہ پہنچے یہ غالباً زاہدان سے بھی بڑا شہر ہے یہاں وکٹوریہ گاڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ رات کو آٹھ بجے صباح سپید پہنچے۔ یہاں بوتلوں میں لسی پی۔ ایرانی زبان میں لسی کو دوغ اور دہی کو ماست کہتے ہیں۔ رات کو گیارہ بجے مشہد پہنچ گئے۔ ایک ایرانی ہم سفر عبدالعزیز کے ساتھ ٹیکسی میں سوار ہو کر وسط شہر پہنچے بہت سارے ہوٹل دیکھے لیکن کہیں جگہ نہیں مل رہی تھی۔ آدھی رات بیت چکی تھی اور بارش بھی ہو چکی تھی اس لئے سردی ہڈیوں میں گھستی چلی جا رہی تھی۔ آخر کار عبدالعزیز کے ایک ایرانی دوست کے مکان پر پہنچے۔ نہایت عمدہ قالینوں سے آراستہ بنگلہ تھا۔ رات وہاں بسر کی۔ صبح ہوٹل زہرہ میں ایک کمرہ لے لیا۔ اس کے بعد سیر کے لئے نکلے۔ امام ابوالحسن علی بن موسیٰ رضا کا مزار دیکھنے گئے۔ نہایت عظیم الشان مقبرہ ہے۔ چاروں جانب بہت بڑے بڑے دروازے ہیں۔ دروازوں پر سونے کے نقش و نگار ہیں۔ گنبد اور مینار پر بھی سونے کے نقش و نگار ہیں۔ زائرین کا بے پناہ ہجوم تھا۔ مقبرہ سے متصل چھت والا بازار ہے جو نہایت بیش قیمت سامان سے بھرا ہوا تھا۔ مزار سے ملحق ایک کتب خانہ ہے جس میں قدیم کتب اور نادر مخطوطات ہیں۔ مقبرہ کی سیر کے بعد باغ نادری گئے جہاں نادر شاہ افشار کی قبر ہے۔ اس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

آرامگاہ شہریار توانائے نادر شاہ افشار کہ در محرم یکہزار و صد ہجری تولد یافت و در جمادی الاخری یک ہزار و صد و شصت ہجری درگذشت۔

اس سے ملحق ایک عجائب گھر ہے جس میں نادر شاہ کے زمانے کے فوجی ہتھیار اور دربار وغیرہ رکھی ہوئی ہیں اس باغ میں ایک نشست گاہ ہے جہاں شاہ ایران آ کر بیٹھتے ہیں۔

مشہد ایران کا مشہور شہر ہے جس کی شہرت حضرت علی بن موسیٰ رضا کے مقبرے اور اس سے

ملحق عظیم الشان کتب خانہ کی وجہ سے ہے اس کی بلندی سطح سمندر سے ۹۷۵ میٹر ہے آبادی تقریباً چار پانچ لاکھ ہے ساتویں صدی ہجری تک یہ ایک بہت ہی چھوٹا گاؤں تھا اور حضرت علی بن موسیٰ رضا کے مزار کی مناسبت سے اسے مشہد الرضا کہتے تھے۔

پہلے یہ طوس کے توابع میں سے تھا پھر جب طوس ویران ہوگیا تو مغلوں اور سلاطین ایران خصوصاً خاندان صفویہ کے زمانہ میں اسے بتدریج ترقی ہوئی یہاں تک کہ نادر شاہ کے زمانہ میں پایہ تخت بن گیا شہر طوس کے کھنڈرات یہاں سے پندرہ بیس میل کے فاصلے پر ہیں اور وہیں ایران کے مشہور شاعر فردوسی کی قبر ہے جس پر شاندار مقبرہ بنا ہوا ہے۔

مشہد میں درخت بہت ہیں ایران میں قالین بافی اور چرم سازی کا یہ مرکز ہے۔ ملک الشعرا محمد تقی بہار یہیں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت مشہد جدید عمارات کی تعمیر اور باشندوں کی طرز زندگی کے لحاظ سے روبہ ترقی ہے۔ پورا شہر باغات سے پٹا ہوا ہے۔ چمکدار دکانیں، خوشنما ہوٹل اور عجائب خانہ نادر شاہ افشار۔ ان چیزوں نے مشہد کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہاں بے شمار مسافر خانے ہیں جن میں ہر وقت زائرین مرقد علی بن موسیٰ رضا کا ہجوم رہتا ہے غرض مشہد اس وقت ایران کے اہم شہروں میں شمار ہوتا ہے۔

تہران

دو دن مشہد میں قیام کیا اور ۲۷ مارچ کو بذریعہ ٹرین تہران روانہ ہوئے۔ فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں میرے ساتھ تین ایرانی سفر کر رہے تھے جن میں سے ایک آغا علی جرمنی تعلیم کے لئے جا رہے تھے۔ یہ سفر بڑا پرلطف رہا۔ خوب فارسی اور انگریزی کو ملا کر گفتگو ہوتی رہی۔ آغا علی نے مجھے تہران میں اپنے گھر چلنے کی دعوت دی لیکن میں نے شکریہ کے ساتھ معذرت کی۔ راستہ میں برابر بارش ہوتی رہی۔ دوسرے دن ۲۸ مارچ کو صبح نو بجے تہران پہنچے، بارش جاری تھی۔ جس کی وجہ سے سردی کافی زیادہ ہوگئی تھی۔ خیابان ہشت پر ہوٹل گیلان میں ایک کمرہ لیا اور نہا دھو کر ۱۲ بجے دوپہر میں خیابان فردوسی پر چل پڑا۔ یہ بہت خوبصورت شاہراہ ہے۔ صاف ستھری اور کشادہ دونوں طرف خوبصورت شوکیسوں والی دوکانیں ہیں۔ بنک ملی ایران اور بنک مرکزی ایران کی عظیم الشان عمارتیں اسی شاہراہ پر ہیں۔ سر برزی کمرادن اور زرخانہ بھی اسی پر ہے۔ کچھ آگے چلیں تو ایک بہت بڑا شاندار چوک آتا ہے۔ جس کے وسط میں فردوسی کا مجسمہ لگا ہوا ہے۔ بائیں طرف خیابان شاہ رضا ہے جس کے

آخر میں باشگاہ دانشگاہ اور بست و چہار اسفند اسکوائر ہے جس کے سامنے تہران یونیورسٹی کی عمارت ہے باش گاہ دانش گاہ (یونیورسٹی ہوسٹل) میں جاکر معلوم ہوا کہ دکتر علی رضا نقوی آج صبح اصفہان چلے گئے ہیں ان کے نام محترم پیر حسام الدین صاحب راشدی نے تعارفی خط دیا تھا۔

میں نے نصف دن گھومنے ہی میں گذارا شام کو ایک ٹیکسی لی اور اس کے ڈرائیور کو دکتر شہریار کا پتہ بزرگمہر دیا۔ اس نے مجھے مشہور مسقف بازار کے پاس چھوڑ دیا۔ کچھ دیر اس کی سیر کی۔ یہ تہران کا خوبصورت ترین بازار ہے۔ اس کے بعد نمبر چالیس کی تلاش میں نکلا۔ ایک جگہ اوپر چڑھا تو معلوم ہوا کہ ایک فوٹو گرافر کی دکان ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ چالیس بزرجمہری ہے۔ بزرگمہر تو کہیں اور ہے پھر اس نے ٹیکسی والے کو پورا پتہ سمجھایا چنانچہ بزرگمہر پہنچتے ہی نمبر چالیس مل گیا۔ میں نے گھنٹی بجائی تو اندر سے ایک ایرانی بڑھیا برآمد ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ دکتر شہریار اس وقت کہیں گئے ہوئے ہیں معلوم نہیں کس وقت آئیں میں نے ایک رقعہ دکتر صاحب کے نام لکھ کر اسے دیدیا کہ میں صبح آؤں گا۔ رات کے وقت تہران روشنیوں سے دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ اور سڑکیں اور بازار نہایت دل کش منظر پیش کر رہے تھے۔ دوسرے دن صبح ساڑھے نو بجے پیدل چلتا ہوا دکتر شہریار کے گھر پہنچا معلوم ہوا کہ وہ انتظار میں ہیں۔

بڑے اخلاق سے ملے اور فوراً ہی بے تکلف ہو گئے۔ کہنے لگے کہ اگر آپ ہوٹل سے فوراً یہاں منتقل نہ ہو جائیں گے تو ہماری لڑائی ہو جائیگی۔ ابھی یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ ان کے ایک دوست جو پاکستان سے یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے ہوئے ہیں، آ گئے۔ ان کا نام دکتر مرتضی موسوی تھا میرا تعارف ان کے ساتھ کرایا۔ اور پھر انہیں میرے ساتھ ہوٹل بھیج دیا تاکہ سامان وغیرہ گھر پر لے آئیں۔ ہوٹل سے واپسی کے بعد آپس میں مختلف موضوعات پر کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔

دوپہر کو ایک ایرانی صاحب تشریف لائے جن کے ساتھ میرا تعارف کرایا گیا۔ ان کا نام دکتر علی اکبر جعفری تھا۔ اتفاق سے وہ کافی عرصہ کراچی میں رہ چکے ہیں اور تقریباً ہر جمعہ کو والد صاحب مرحوم سے ملاقات کے لئے آتے تھے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ کی صورت کھڈہ کے باشندگان سے ملتی جلتی ہے۔ میں نے ان کو بتایا کہ مولانا محمد صادقؒ صاحب میرے والد تھے۔ انہوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور رات کو مکان پر آنے کی دعوت دی۔ اسی دن مغرب کے بعد دکتر شہریار، دکتر موسوی اور میں

جعفری صاحب کے مکان پر گئے۔ انہوں نے خوب خاطر تواضع کی اور کھڈہ کے مچھلی والوں کے بارے میں پوچھتے رہے۔ رات کو ساڑھے آٹھ بجے وہاں سے اپنی قیام گاہ واپس آگئے۔

۳۰ مارچ ۔ آج سارا دن شہر گھومنے میں گذارا تہران شہر کی خوبصورتی صفائی اور کشادگی کی کہاں تک تعریف کی جائے۔ یہاں کی صفائی دیکھ کر تہران میونسپلٹی کی مستعدی اور فرض شناسی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ یقیناً تہران سے دنیا کے اور کئی شہر زیادہ خوبصورت ہوں گے لیکن میں نے اب تک جتنے بھی شہر دیکھے ہیں، تہران کے مقابلے میں وہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ ڈکٹر شہریار نے مجھے بتایا کہ استنبول اور قاہرہ تہران سے بہت زیادہ خوبصورت ہیں۔

۳۱ مارچ ۔ آج صبح ناشتہ کے بعد پیدل لالہ زار پہنچا۔ یہ کراچی کے الفنسٹن اسٹریٹ کی طرح ہے اس کے قریب ہی بہارستان اسکوائر پر پارلیمنٹ کی شاندار عمارت ہے اور اس کے ساتھ ہی ابن سینا ایونیو پر سپہ سالار مسجد ہے جو اسلامی اور مشرقی فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے اس کے میناروں پر گنبد پر نہایت عمدہ نقاشی ہے۔ یہ ۱۸۳۱ء میں تعمیر ہوئی ہے اور تہران کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ درمیان میں بڑا گنبد اور دونوں طرف چھوٹے گنبد بنے ہوئے ہیں۔ تہران میں چار روز قیام رہا، جس کے دوران میں نے مختلف شخصیتوں سے ملاقات کی اور کئی مقامات دیکھے افسوس کہ تہران یونیورسٹی تعطیلات کی وجہ سے نہ دیکھ سکے۔

تہران کوہ البرز کے دامن میں واقع ہے۔ درہ سر تو چال جو شہر کے شمال میں بارہ میل کے فاصلہ پر ہے، بارہ ہزار فٹ اونچا ہے۔ سر تو چال کی پچھلی طرف سے رود کرج اور رود جارود نکلتی ہیں جو وسطی ایران دشت کی طرف بہتی ہیں۔ قریب ہی شمیران کا سرسبز علاقہ ہے جو تہران کے لوگوں کے لئے گرمی کی بہترین تفریح گاہ ہے۔ یہیں سے شہر کو پانی بھی مہیا ہوتا ہے۔ تہران کی آب و ہوا سردیوں کے موسم میں خوشگوار ہوتی ہے لیکن موسم گرما میں صحت کے لئے اچھی نہیں۔

تہران کی ترقی کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نواح کے دیگر اہمات بلاد غائب ہوگئے۔ رے کا زوال ۶۱۷ھ ۱۲۲۰ء سے شروع ہوا جب تاتاریوں نے اسے ویران کیا۔ تاتاریوں کے دور میں تہران کا ذکر کبھی کبھی جامع التواریخ میں آتا ہے۔ اس شہر کی خوش حالی شاہ طہماسپ اول کے وقت سے شروع ہوئی۔ جس نے ۹۶۱ھ میں یہاں بازار بنوائے اور شہر کے گرد ایک فصیل تعمیر کی۔ جس کی لمبائی

بقول صاحب زینۃ المجالس ایک فرسخ تھی۔ اس دیوار میں چار دروازے اور ۱۱۴ برج تھے یعنی قرآن پاک کی سورتوں کی تعداد کے برابر۔ ہر ایک برج میں ایک سورۃ دفن کی گئی۔ موجودہ تہران میں بہت سی شاندار عمارتیں ہیں مثلاً بانک شہنشاہی۔ دانش گاہ (یونیورسٹی) ریلوے اسٹیشن۔ کاخ مرمر، مسجد سپہ سالار۔ یہ شہر کی عمارتوں میں سب سے شاندار ہے۔ تہران کی آبادی ۱۹۵۶ کی مردم شماری کے لحاظ سے ۱۵۱۳۱۶۴ ہے۔ یہاں کا لباس یورپی ہے تہران میں مشرقیت نظر نہیں آتی۔ یہاں کی تہذیب و تمدن مکمل یورپی ہے۔

تہران سے بغداد چار دن تہران میں قیام کرنے کے بعد یکم اپریل کو صبح سات بجے ڈاکٹر شہریار سے رخصت ہوکر عدل ٹرانسپورٹ کی عمدہ اور آرام دہ بس میں سوار ہوکر بغداد روانہ ہوا۔ (ڈاکٹر شہریار صاحب جس حسنِ اخلاق و تواضع سے پیش آئے اسے زندگی بھر نہیں بھولوں گا) راستہ میں بلوارڈ کرج جو کہ تہران کی بہترین مضافاتی تفریح گاہ ہے دیکھی اور دس بجے قزوین پہنچے۔ کچھ دیر کے بعد بس روانہ ہوئی۔ راستہ میں برف پوش پہاڑیوں پر سے بس گویا تیرتی ہوئی جا رہی تھی۔ عمدہ اور پکی سڑک کی وجہ سے دھچکے ذرا بھی نہیں لگ رہے تھے۔ ڈھائی بجے ہمدان پہنچے۔ نہایت خوبصورت چھوٹا سا شہر برف پوش پہاڑیوں کے دامن میں آباد ہے۔ یہاں شدید بارش ہو رہی تھی اور سردی کافی بڑھ گئی تھی۔ ہماری بس سبزہ زار اور پہاڑی دروں سے ہوتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ راستہ میں ایک بالکل سیدھی پہاڑی آئی جیسے ایک بہت بڑا ستون کھڑا ہے اس کا نام کوہ بے ستون ہے، یہ ایک عجوبہ ہے اس کی چوٹیوں سے بادل ٹکراتے ہوئے نظر آئے۔ شام کو ساڑھے چھ بجے کرمان شاہ پہنچے جہاں مہمان خانہ شاہ رضا میں ہمیں ٹھیرایا گیا۔ رات کو سردی بے انتہا ہوگئی تھی۔

۲ر اپریل جمعہ کرمان شاہ سے صبح چار بجے بس روانہ ہوئی۔ پہاڑیوں میں سے پیچ در خم کھاتی ہوئی سڑک سے ہوتے ہوئے قصر شیریں پہنچے۔ یہیں مشہور قصہ شیریں وفرہاد والی شیریں کا محل تھا۔ اس کے بعد ایران کی سرحدی چوکی خسروی پہنچے جہاں پاسپورٹ چیک ہوئے اور سامان کی کوئی چیکنگ نہ ہوئی۔ گیارہ بجے روانہ ہوکر تھوڑی دیر میں عراقی ایمیگریشن چوکی المنذریہ پر پہنچے، جہاں پاسپورٹ چیک ہوئے جس کے بعد ہم عراق میں داخل ہوگئے۔ خانقین سے ہوتے

ہوئے شام کو ساڑھے چار بجے ہم الف لیلوی شہر بغداد میں تھے۔

عراق عراق ایران کے پڑوس میں ایک چھوٹا سا ملک ہے اسے ایک ایسا خشکی کا پل سمجھا جاتا ہے جو تین براعظموں، یورپ، ایشیا اور افریقہ، کے درمیان رابطہ قائم کرتا ہے یہ پہلے ارض الجزیرۃ کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ الجزیرۃ دو دریاؤں کے درمیانی علاقے کو کہتے ہیں جو کہ دجلہ اور فرات ہیں یہ دنیا کے قدیم ترین ممالک میں سے ہے۔ آج تک ہمیں ان پرانے اور قدیم شہروں کے آثار اس میں نظر آتے ہیں۔ عصر اسلامی میں عراق خوب چمکا۔ سینکڑوں سال تک یہاں عباسی خلافت قائم رہی اور یہ علم و فن اور ثقافت و تہذیب کا گہوارہ بنا رہا۔ عراق کی آبادی تقریباً ستر لاکھ ہے۔ اس کا دار الخلافہ بغداد ہے۔ یہ پہلے اپنے مشرقی بازاروں اور الف لیلوی روایتوں کی وجہ سے مشہور تھا لیکن اب یہ زمانہ کے ساتھ ترقی کرتا جا رہا ہے۔ جدید عمارتیں بن رہی ہیں۔ مختلف کارخانے قائم کئے جا رہے ہیں ریلوے اور سڑکوں کا جال پورے ملک میں بچھا ہوا ہے۔ یورپ سے یہاں تک ریلوے لائن ہے۔

ریلوے لائن بصرہ سے شروع ہو کر بغداد سے ہوتی ہوئی کرکوک اور اربیل تک پہنچتی ہے اور دوسری بغداد سے تل کوتشک ہوتی موصل سے شام کی حدود میں شامی ریلوے سے مل جاتی ہے۔

عراق کی اہم محصولات گندم اور چاول ہیں اور کھجور، تقریباً تمام دنیا میں پانچ میں سے چار حصے کھجور کی پیداوار عراق میں ہے۔ کھجور کے کروڑوں درخت دجلہ اور فرات کے دونوں کناروں پر لگے ہوئے ہیں۔ ان دونوں دریاؤں اور شہروں سے اگر دور چلے جائیں تو عراقی اکثر بھیڑ بکریاں پالتے ہیں اس لئے صوف یہاں کی اہم برآمدات میں سے ہے۔ حال ہی میں وہاں روئی کی پیداوار میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ عراق کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ پٹرول بھی ہے۔ عراق تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ ابتدائی تعلیم مفت اور لازمی ہے۔ یہاں معلمین کی تربیت گاہیں ہیں اور چند سال سے بغداد یونیورسٹی بھی بن گئی ہے۔ اقتصادی ترقی کے لئے حکومت نے جدید منصوبے تیار کئے ہیں جن میں صنعت کو بنیادی حیثیت دی ہے اور آبپاشی کے جدید نظام بنائے ہیں۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ اراضی قابل کاشت بنائی جائے۔ عراق میں پہلے بادشاہت تھی لیکن ۱۹۵۸ میں انقلاب کے بعد اسے جمہوریہ بنا دیا گیا ہے۔

بغداد میں ہم بس سے کاظمین کے پاس اترے وہاں سے ٹیکسی میں بیٹھ کر جمعیۃ الباکستان الکرخ پہنچ گئے۔ راستہ میں کراچی کے بہاری کوارٹر جیسی آبادی تھی۔ ویسے ہی گودام، مکان، کوڑے کرکٹ سے

بھری ہوئی سڑکیں ۔ جمعیۃ میں پہنچتے ہی دروازہ پر حافظ شریف حسین صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ یہ والد صاحب کے پرانے دوستوں میں سے ہیں ۔ انہوں نے میرے ساتھ جو شفقتیں کی ہیں انہیں کبھی بھلا نہ سکوں گا ۔ ان کی وساطت سے جمعیۃ میں ایک کمرہ مل گیا ۔ دوسرے دن بغداد کی کچھ سیر کی بارش کی وجہ سے اچھی طرح سیر نہ کرسکا ۔ شارع سعدون ۔ ساحۃ التحریر ۔ حدیقۃ الامۃ اور ساحۃ الجندی المجھول وغیرہ دیکھا اور جسر الجمہوریہ سے ہوتے ہوئے واپس آگیا ۔ بغداد کا شہر کراچی جیسا ہے کہیں اچھی سڑکیں اور شاندار عمارتیں کہیں گندی سڑکیں اور پرانی عمارتیں ۔ دریائے دجلہ نے شہر کو دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے اور آمد و رفت کے لئے پل بنے ہوئے ہیں ۔ جسر الائمہ ۔ جسر المامون ۔ جسر الاحرار اور جسر الجمہوریہ وغیرہ وغیرہ ۔

دوسرے دن اتوار کو صبح ۹ بجے حافظ شریف حسین صاحب نے اپنے صاحب زادے ابرار حسین کے ساتھ سید عبدالوہاب السامرائی کے پاس بھیجا ۔ جسر المامون کے قریب مدرسہ دار التربیۃ الاسلامیۃ ہے اس کے یہ مدیر ہیں ۔ اور ایک دینی رسالہ التربیۃ الاسلامیۃ بھی نکالتے ہیں (مدرسہ مظہر العلوم کراچی کے لئے انہوں نے رسالہ مفت جاری کردیا ہے) موصوف بڑے تپاک سے ملے ۔ اور مدرسہ اور کتب خانہ دکھایا ۔ کتب خانہ نہایت عمدہ تھا ۔ کتابیں اگرچہ تھوڑی تھیں لیکن نہایت خوبصورتی اور سلیقہ کے ساتھ رکھی ہوئی تھیں ۔ یہاں مدرسہ کے نائب مدیر استاذ کاظم سید احمد سے ملاقات ہوئی جو مکتبۃ الاعظمیۃ العامۃ (اعظمیہ پبلک لائبریری) کے انچارج بھی ہیں ۔ بعد دوپہر بغداد کے دوسرے حصے رصافہ میں شارع الامام الاعظم پر مکتبۃ الاعظمیہ میں پہنچا ۔ بغداد یونیورسٹی بھی اسی سڑک پر ہے ۔ اعظمیہ لائبریری کی عمارت دو منزلہ تھی اور اس میں کافی کتابیں تھیں مختلف کتابوں سے میں نے یادداشتیں لیں ۔ بغداد کے تقریباً ہر علاقہ میں اس قسم کی پبلک لائبریریاں ہیں جن سے اہل علم استفادہ کرتے ہیں ۔ دوسرے دن مکتبہ اعظمیہ میں دو مصری استادوں سے ملاقات ہوئی ۔ ان سے تعارف ہوا ۔ اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی ۔ میں نے اپنے قصد سے انہیں مطلع کیا کہ میں مورخین اسلام کی سوانح مرتب کررہا ہوں ۔ انہوں نے اس پر بہت خوشی کا اظہار کیا ۔ استاذ کاظم نے بتلایا کہ یہاں حقیقی صحیح علماء کا قحط ہے ننانوے فیصدی علماء آپ کو ایسے نظر آئیں گے جو قرآن کریم بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے ۔ لیکن عمامہ باندھے پھرتے ہیں ۔

۶ر اپریل اعظمیہ میں جامع الامام الاعظم میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی زیارت کی۔ مزار کے کمرہ کو تالا لگا ہوا تھا۔ وہاں کا ایک خادم مجھے اندر لے گیا۔ ایک کٹہرے کے درمیان مزار تھا کٹہرے پر اللہ تعالیٰ کے اسمارحسنہ اور آیتیں لکھی ہوئی تھیں اس کے بعد حدیث لوکان العلم بالثریا تھی اور پھر یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

اذا ما الناس فقها قا یسونا — بآبدة من الفتیا ظریفہ
اتینا هم بمقیاس عتید — مصیب من طراز ابی حنیفہ
یبذل له المقاییس حین یفتی — ویبد هشنو عندہ انجح الضعیفہ
ولم یقس الامور علی هواہ — ولکن قاسها بتقی وخیفہ
فاوضح للخلائق مشکلات — نوازل کن قد ترکت دقیقہ
روی الآثار عن نبل ثقات — عنزار العلم مشیختہ حصیفہ
وان ابا حنیفہ کان بحرا — بعید الغور فرضتہ نظیفہ

دوسرے دنوں میں مختلف مقامات کی سیر کرتا رہا۔ کئی مزارات کی زیارت کی۔ بغداد کے محلے جو دجلہ کے کنارے واقع ہیں اور پرانے بازار ایک مکمل مشرقی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ استاد کاظم نے مکتبۃ المتحف العراقی (عجائب گھر کی لائبریری) کے ناظم کے نام ایک تعارفی خط لکھ کر دیا۔ دوسرے دن متحف عراقی دیکھا اور اس کے ساتھ ملحق لائبریری میں گیا۔ یہ لائبریری بغداد کی سب سے بڑی لائبریری ہے اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ مطبوعہ کتابوں کا اور دوسرا مخطوطات کا۔ سینکڑوں مخطوطات موجود ہیں۔ مجھے مطالعہ کی ہر ممکن سہولتیں بہم پہنچائی گئیں افسوس کہ عید کی تعطیلات کی وجہ سے زیادہ استفادہ نہ کر سکا۔

بقر عید کی نماز باب الشیخ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی جامع مسجد میں پڑھی اور نماز کے بعد ڈاکٹر نثار احمد کے ساتھ بابل کی سیر کے لئے روانہ ہوا۔ ہم ۹ بجے بابل پہنچے اور تقریباً ایک گھنٹہ وہاں کی سیر کی بابل میں کئی پرانے کھنڈرات ہیں جنائن المعلقہ (معلق باغات) کے صرف کھنڈر باقی ہیں۔ عشتار دروازہ اور بابل کے شیر کا مجسمہ دیکھا۔ یہاں ایک چھوٹا سا عجائب گھر بھی ہے جس میں کھدائی سے برآمد شدہ نوادرات رکھی ہوئی ہیں۔

بابل فرات کے کنارے ایک قدیم شہر تھا۔ ابن الفقیہ کہتا ہے کہ دنیا میں پہلا شہر حران بنا۔ اور دوسرے نمبر پر بابل۔ برج بابل کو نمرود کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (البکری)
کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح کے بیٹوں کو بابل سے دنیا میں پھیلا دیا۔ (المسعودی کتاب التنبیہ)
نیز کہا جاتا ہے کہ بابل میں نمرود بن کنعان رہتا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جو سب سے پہلے زمین پر بادشاہ بنا اور نجومیوں سے اس نے مشورہ لیا اور نہریں کھدوائیں۔ (ابن خرداذبہ ۷۷۔ ابن الفقیہ ۱۹۹ الاصطخری ۱۰۱۔ المسعودی ۸۶۰۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے عہد میں حران میں پیدا ہوئے اور ان کے والد انہیں بچپن میں ارض بابل لے آئے۔ یہاں لاہان رہتا تھا۔ آپ یہیں رہنے لگے پھر شادی کے بعد وہاں سے کوچ کیا تھا۔ (الطبری ج ۱ ص ۲۵۲ ومابعد) بابل بخت نصر کا دارالسلطنت تھا۔ وہی بخت نصر جس نے بیت المقدس کو تباہ کیا اور یہودیوں کو گرفتار کر کے لایا۔ (ابن الفقیہ ۲۱۸ والطبری ج ۱ ص ۶۹۲)
مسلمان بابل کے قدیمی باشندوں کو کبھی کلدانی کہتے تھے اور کبھی کنعانی یا نبطی کہتے تھے (الاصطخری ۱۰۱) طبری (ج ۲ ص ۱۷۱) نے لکھا ہے کہ اوشہنج نے بابل اور سوس بنایا تھا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے درخت کاٹے اور عمارت بنائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے طہورث نے بنایا تھا (طبری ۱ : ۱۷۰)
ایک روایت ہے کہ جمشید دنباوند سے بابل ایک دن میں پہنچ جاتا تھا جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس سے تخت جمشید تک (اصطخر میں) پہنچتے تھے۔ (طبری ۱ : ۱۸۰)
حمزہ نے کتاب سیر الملوک ص ۳۵ میں لکھا ہے کہ کیکاوس (جو کہ کیانی سلسلہ کا بادشاہ تھا) نے برج بابل بنوایا تھا۔

اہل عرب بابل کے نام کا اطلاق شہر اور ملک دونوں پر کرتے ہیں۔ اس کو اہل فارس اور نبطی بابیل یا بافیل یا بابیلون کہتے ہیں۔ مسعودی کہتا ہے کہ کلدانی اسے خنیرث کہتے تھے۔ المسعودی نے کتاب التنبیہ میں حدود بابل کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کی مغربی حد الثعلبیہ تک پھیلی ہوئی ہے یہ کوفہ سے مکہ جانے والی راستہ کی پہلی منزل ہے۔ اور شرقی حد نہر بلخ ہے اور شمال نصیبین اور سنجار کے مابین اور جنوبی دیبل کی پچھلی طرف ساحل منصورہ سے۔
یاقوت نے اس کی حد بندی اس طرح کی ہے۔ یہ دجلہ اور فرات کے درمیان ہے۔ دجلہ سے واسط کے

اسفل تک اور فرات سے ماوراء کوفہ تک۔ وہ کہتا ہے کہ شہر انبار جو فرات پر واقع ہے، یہ بابل کی حد شمالی ہے۔ بابل شہر ملک بابل کا مرکز رہا ہے۔ ابن سرابیون کے عہد تک

اس وقت بابل کی پرانی تہذیب کے آثار ان کھنڈرات سے نظر آتے ہیں جو اس وقت تک موجود ہیں۔ ان میں وہ مشہور باغ کے کھنڈر بھی ہیں جنہیں جنائن المعلقہ کہا جاتا ہے۔ ایک پتھر کا شیر ہے جس کے نیچے پتھر کی عورت دبی ہوئی ہے۔ یہ مجسمہ اس وقت کے حکمرانوں کی سفاکی اور ظلم کی نشان دہی کرتا ہے شارع المواکب ہے اور عشتار دروازہ ہے جس کی دیواروں پر حیوانات کے نقش بنے ہوئے ہیں۔ انا کیلا اور اتامنا نکی کے بڑے معبد ہیں۔ جب وہاں کھڑے ہو کر ان شاندار عمارتوں کے کھنڈرات کو دیکھا جاتا ہے تو دل میں خدائے لم یزل کی قدرت اور عظمت کی ہیبت چھا جاتی ہے۔ جن مغرور بادشاہوں نے ان عمارتوں کو بنایا تھا اور جو تکبر اور فخر سے غراتے بیٹھے تھے ان کی ہڈیاں بھی خاک ہو چکی ہیں۔ اور آج ان کے محلات کے کھنڈرات سیاحوں کی دلچسپی اور عبرت کا سامان بن گئے ہیں۔

ساڑھے دس بجے بس میں سوار ہو کر حلہ پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے وہاں سے دوسری بس میں سوار ہو کر کربلا روانہ ہوئے، جہاں ائمہ کرام کے مزارات کی زیارت کی اور شام کو بغداد واپس آ گئے۔

عباسیوں کا بغداد

۱۶ اپریل کو جمعہ کے دن بغداد سے روانگی تھی اس لئے استاذ کاظم سے رخصت ہونے کے لئے اعظمیہ گیا وہاں بارہ بجے تک باتیں کرتے رہے پھر جامع امام اعظم میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہاں کی تعلیمی حالت کیسی ہے انہوں نے بتایا کہ سوائے اس کے کہ لوگ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے ڈگریاں لے کر نکلتے ہیں ان کا کوئی علمی کارنامہ منصۂ شہود پر نظر نہیں آتا۔ میں نے پرانے علماء کے بارے میں سوال کیا انہوں نے کہا کہ ان کا مطمح نظر بس بینک بیلنس، بنگلہ، کار اور طلب منفعت ہے۔ نماز کے بعد موصوف اپنے گھر لے گئے جہاں دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر مجھے اپنی کار میں بٹھا کر جمعیۃ تک لے آئے اور مجھ سے رخصت ہوئے۔

بغداد کی بنیاد ابو جعفر المنصور خلیفہ ثانی عباسی نے ۱۴۵ھ میں رکھی اور ۱۴۹ھ میں تعمیر مکمل کی۔ (حضرت امام ابو حنیفہ بھی انجنیروں میں تھے) منصور نے اسے ایک دائرہ کی شکل میں بنایا

اور اس کے چاروں اطراف میں بہت چوڑی اور اونچی فصیل تعمیر کی۔ جس میں چار دروازے بنائے۔ باب الشام، باب الکوفہ۔ باب البصرۃ۔ اور باب خراسان۔ مورخین نے اس کی مساحت تین مربع کلومیٹر بتائی ہے۔ وسط شہر میں ایک جامع مسجد تھی جو منصور کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور اس کے پاس ہی اس نے سبز گنبد والا قصر الذہب بنوایا۔ آہستہ آہستہ دجلہ کے مشرقی جانب آبادی بڑھتی گئی اور تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے درمیان دار الوزارۃ اسی جانب منتقل ہوگیا۔ عباسی دار الخلافہ تیسری اور ساتویں صدی کے مابین جنوبی جانب ہی رہا۔ جس میں خلفاء کے محلات۔ دفاتر اور مسجدیں تھیں۔ ان محلات اور دفاتر کے گرد ایک فصیل تھی جس کے چار دروازے تھے جن میں سے ایک ابھی تک الباب الوسطانی کے نام سے قائم ہے۔ شہر کے جنوب مشرق میں دجلہ کے کنارے ایک بستی تھی جسے سوق بغداد کہتے تھے۔ جس میں ہر سال تجار جمع ہوتے تھے یہیں گھوڑوں کی منڈی لگتی تھی اور اس کی وجہ سے یہ ایک مرکز تجارت بن گیا تھا۔ فارس کے بادشاہوں نے سوق بغداد کے جنوب میں دریائے دجلہ کے بائیں کنارے پر ایک شہر بنایا تھا جو مدائن یا طیسفون کے نام سے مشہور تھا۔ یہ ساسانی اکاسرہ کے عہد میں سرمائی دار السلطنت تھا یہاں تک کہ حضرت عمر کے عہد میں مسلمانوں نے اسے فتح کرلیا۔ ابھی تک اس کے پچھلے آثار باقی ہیں۔

عراق میں گرمیوں کے موسم میں شدید گرمی ہوتی ہے اور سردیوں میں شدید سردی یہاں تک کہ سردیوں میں درجۂ حرارت صفر سے بیس ڈگری کم ہو جاتا ہے۔ یہاں کا موسم بہار فروری سے شروع ہوتا ہے اور اوائل مئی تک رہتا ہے۔ ان دنوں میں لوگ دریائے دجلہ کے کنارے نکل آتے ہیں۔ عراقیوں کے اخلاق اور مزاج پر موسم کا بہت زیادہ اثر ہے۔ عراقی گرم طبیعت کے ہوتے ہیں بہت جلد غصہ میں آجاتے ہیں لیکن جتنی جلد غصہ آتا ہے اتنا ہی جلد وہ پرسکون اور نرم ہو جاتے ہیں۔

نہر دجلہ کے کنارے شارع ابی نواس کی راتیں بہت مشہور ہیں۔ جاڑے میں یہ سڑک سنسان رہتی ہے۔ اور جوں جوں بہار کا موسم شروع ہوتا ہے اس سڑک پر زندگی کے آثار نمودار ہونے شروع ہوتے ہیں۔ دریا کے کنارے کا سینو لگ جاتے ہیں اور لوگ پوری پوری راتیں گذار دیتے ہیں۔ جابجا مچھلیاں بھونی جاتی ہیں۔ جو نہایت گراں قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ بغداد اس وقت

جدید عمارتوں کے لحاظ سے کافی ترقی کر رہا ہے۔ لیکن پھر بھی اس پر قدیم اسلامی فن تعمیر کی چھاپ غالب ہے۔ یہ ان پرانی ساجد کی وجہ سے ہے جو تقریباً ہر شارع پر بنی ہوئی ہیں اور ہر ایک مسجد کی اپنی اہم تاریخ ہے۔ مغربی بغداد میں ایک مسجد ہے جسے بعض حضرت علیؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں الخفافین میں ایک مسجد ہے جسے المستضی بامر اللہ کی بیگم سیدہ زمرد خاتون نے بنوایا تھا۔ ایک اور مسجد ہے جس کا نام قمریہ ہے یہ المستنصر کے عہد میں بنی تھی۔ جامع حیدر خانیہ ہے جسے داود پاشا والی بغداد نے ۱۲۲۲ھ میں بنوایا۔ اہم مزارات میں سے محلہ اعظمیہ میں مزار امام ابی حنیفہ اور مزار امام ابی یوسف یعقوب بن ابراہیم ہے جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔ آپ ۱۶۶ھ میں بغداد کے قاضی بنائے گئے اور آپ اسلام میں پہلے شخص ہیں جنہیں قاضی القضاۃ کہا گیا۔

کرخ میں شیخ معروف کرخی کا مزار ہے۔ آپ ہارون الرشید کے معاصر تھے اور زہد و تقویٰ میں مشہور تھے ۲۰۰ھ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی۔ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ کا مزار بھی بغداد میں ہے جس کے بارے میں یہ حکایت مشہور ہے کہ اس کی قبر میں تین سانپ رہتے ہیں اور ہر روز عصر کی اذان کے بعد قبر سے غذا حاصل کرنے کے لئے نکلتے ہیں اور پھر صبح تک قبر کے آس پاس گھومتے رہتے ہیں۔ عہد قدیم میں بغداد میں کئی مدارس تھے۔ پرانے مدارس میں سے مدرسہ المستنصریہ ابھی تک باقی ہے جو کہ جسر المامون کے قریب ہے۔ یہ خلیفہ المستنصر باللہ عباسی کی طرف منسوب ہے۔ اور شیخ عبدالقادر کی جامع میں بھی ایک مدرسہ قادریہ قائم ہے بغداد کے پرانے محلے جو سینکڑوں سال پہلے بنے تھے' ابھی قائم ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور محلہ شورجہ ہے جس کی گلیاں مسقف اور تنگ ہے اس میں ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ یہاں ہر قسم کے کپڑے عطر اور چینی کے برتن بکتے ہیں۔ بے حد قیمتی اور نہایت سستی ہر طرح کی چیز موجود ہے۔ شورجہ سے ایک اور محلہ یا بازار نکلتا ہے جسے حی الصفافیر کہتے ہیں۔ جو ہمارے یہاں کراچی کے جوڑیا بازار سے مشابہہ ہے۔ اس بازار میں تانبے پیتل کے برتن بنائے جاتے ہیں جن میں قدیم مشرقی انداز جھلکتا ہے۔ اس سے ایک اور بازار جو مصلوں اور قالینوں کا بازار ہے۔ کامل نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی بازار ہیں جیسے حی الصاغتہ، سوق السری۔ سوق البزازین وغیرہ۔

بغداد کا اہم اور سب سے طویل تجارتی بازار شارع رشید ہے

بغداد میں کئی عجائب گھر ہیں۔

۱۔ المتحف العراقی بیشارع جمال عبدالناصر میں ہے اس میں عراق کی قدیم اقوام کے آثار ہیں۔

۲۔ متحف القصر العباسی۔ یہ وزارت دفاع کی عمارت کے پیچھے پرانے قلعہ میں ہے۔ اس میں آثار اسلامیہ ہیں خصوصاً عباسی دور کے۔

۳۔ دار الآثار العربیۃ۔ (خان مرجان) اس میں عربی اور اسلامی آثار ہیں۔

۴۔ متحف الاسلحہ۔ (شیخ عمر) اس میں قدیم عربی اسلحہ ہیں۔

۵۔ متحف الفن العراقی الحدیث۔ یہ شارع الامام الاعظم میں ہے۔

بغداد میں مواصلات کا ذریعہ بس اور ٹیکسی ہے۔ جن کے کرایے کافی سستے ہیں بغداد میں کھانے پینے کی اشیاء نہایت سستے داموں دستیاب ہوتی ہیں۔ گرمیوں کے مشہور پھل انگور اور تربوز ہیں۔ کھانے میں یہاں کی سب سے عمدہ ڈش قوزی اور تمن ہے قوزی مسلم بھنی ہوئی بھیڑ اور تمن چاول۔

عراقی پرانی رسموں اور رواج کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ ایک عثمانیوں کے زمانے کی توپ ہے جو متحف الاسلحہ کے سامنے رکھی ہے اسے توپ ابوخزانہ کہتے ہیں اسے سلطان مراد خان نے ۱۰۴۸ھ میں بنوایا تھا۔ اس کے بارے میں یہاں عجیب وغریب توہمات ہیں۔ بغدادی عورتیں اس توپ کو صاحب کرامات گمان کرتی ہیں۔ اور ہر عورت جو بچہ جنتی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ساتویں دن نومولود کو اس توپ پر لے جائے اور تین مرتبہ اس کے دہانے میں اسے داخل کرے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے خرافاتی قصے مشہور ہیں۔ یہ ہے وہ بغداد جو کسی زمانے میں اسلامی اور مشرقی ثقافت اور تہذیب وتمدن کا مرکز تھا۔ اور اب بھی اس میں اس دور کے آثار باقی ہیں۔

بصرہ

بغداد میں پندرہ دن قیام کرنے کے بعد ۱۶ اپریل بروز جمعہ شام کو ۵ بجے بذریعہ ٹرین بصرہ روانہ ہوا۔ ریل میں میرے تینوں رفیق با اخلاق اور خوش مزاج تھے۔ پورا راستہ آرام سے گزرا۔ صبح آٹھ بجے معقل (بصرہ کا ریلوے اسٹیشن) پہنچے ٹیکسی میں شہر کی طرف روانہ ہوا۔ اور خندق المیناء عشار میں ایک کمرہ لیا۔ جہاز کمپنی سے معلوم ہوا کہ جہاز ایک دن لیٹ ہے۔ یہاں سید عدنان سے ملاقات ہوئی۔ یہ وکیل الاخراج ہیں اور حافظ

شریف حسین کے دوستوں میں سے ہیں۔ یہاں شیخ اکرام اللہ اور نیر اقبال سے ملاقات ہوئی۔ جو کوئٹہ سے زاہدان تک ساتھ تھے۔

۱۹ اپریل۔ بصرہ سے پندرہ میل پر ایک بستی الزبیر ہے جہاں حضرت زبیر بن العوام کا مزار مبارک ہے۔ صبح دس بجے وہاں جانے کے لئے نکلا۔ عشار سے بصرہ کی پرانی آبادی تک بس میں گیا۔ وہاں سے الزبیر جانے والی بس ملی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اور تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ بس نے ابھی دس میل ہی طے کئے تھے کہ زبردست طوفان گرد و غبار پوری فضا پر چھا گیا۔ یہ صحرا کا مشہور گرد باد تھا۔ جس کے بارے میں کتابوں میں پڑھا تھا کہ اس میں قافلے ریت میں دب جاتے تھے۔ اس کا اب عملی تجربہ ہو رہا تھا۔ دو فٹ کے فاصلے پر کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی۔ ڈرائیور نے بتیاں جلا کر بس سڑک کے کنارے کھڑی کردی تھی۔ طوفان اتنا شدید تھا کہ بس پتے کی طرح لرز رہی تھی۔ دس منٹ تک طوفان کا وہ عالم تھا کہ الامان والحفیظ۔ اچانک زبردست بارش شروع ہوگئی جس سے ریت دب گئی۔ اور بس دوبارہ روانہ ہوسکی۔ کھڑکیاں بند ہونے کے باوجود اتنی ریت اندر گھس آئی تھی کہ چہروں، ہاتھوں اور کپڑوں پر ریت کی ایک دبیز تہہ جم گئی تھی۔ ڈرائیور نے کہا یہ خوش قسمتی ہے کہ بارش شروع ہوگئی ورنہ یہ طوفان کئی گھنٹے چلتا۔ تھوڑی دیر میں الزبیر پہنچ گئے وہاں جامع الزبیر میں حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی زیارت کی اور فاتحہ پڑھنے کے بعد واپس روانہ ہوا۔

حضرت زبیرؓ کا پورا نام زبیر بن العوام بن خویلد ہے آپ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ حضرت عمر نے جو شوریٰ مقرر کی تھی، اس میں آپ شامل تھے۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ جس وقت وہ اسلام لائے تھے اس وقت ان کی عمر ایک روایت کی بناپر ۱۲ سال تھی۔ اور دوسری روایت کی بنا پر آٹھ سال۔ امام لیث سے روایت ہے کہ آپ کو آپ کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیتا تھا تاکہ وہ واپس کفر میں آجائیں۔ لیکن وہ صاف انکار کر دیتے تھے۔

حضرت زبیر نے دو مرتبہ ہجرت فرمائی ہے۔ عروہ کہتے ہیں آپ کا قد بہت لمبا تھا۔ وہ جب سوار ہوتے تھے تو ان کے پاؤں زمین پر لگتے تھے۔ عروہ اور ابن المسیب نے فرمایا حضرت زبیر

وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں تلوار اٹھائی۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت زبیر یوم بدر میں زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ نبی صلعم نے فرمایا کہ ملائکہ حضرت زبیر کی پیشانی پر اترے ہیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا الذین استجابوا اللہ والرسول من بعد ما اصابہم القرح کی آیت جن کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان میں حضرت زبیر بھی تھے۔ حضورؐ نے فرمایا ہر نبی کا کوئی حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔ حضرت زبیر کو شہید کرنے کے بعد جب قاتل انعام کے لالچ میں حضرت علی کے دروازہ پر آیا اور انہیں اطلاع دی گئی کہ قاتل زبیر دروازہ پر کھڑا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ قاتل ابن صفیہ جہنم میں جائے۔

آپ کی شہادت جمادی الاولیٰ ۳۶ھ میں ہوئی اور اس وقت ان کی عمر ۶۶ یا ۶۷ سال تھی۔ ان کو عمرو بن جرموز نے وادی السباع میں شہید کیا۔ (الاصابہ ج اول ص ۵۴۵)

الزبیر کے قبرستان میں حضرت حسن بصری اور الزبیر سے تقریباً ایک میل دور سڑک سے ہٹ کر حضرت طلحہ کا مزار ہے لیکن افسوس ہے کہ وہاں بارش اور کیچڑ کی وجہ سے نہ جا سکا۔ اور اس طرح میں ایک عظیم المرتبت صحابی اور رسول کے جلیل القدر رفیق کی تربت کی زیارت سے محروم رہا۔ ساڑھے بارہ بجے بصرہ واپس آگیا۔ طوفان کی وجہ سے جہاز ایک دن اور لیٹ ہو گیا۔

بصرہ ایک تجارتی شہر ہے جو دجلہ کے کنارے بغداد سے تین سو میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔ عتبہ بن غزوان نے ۱۶ھ ، ۶۳۷ء یا ۱۷ھ / ۶۳۸ء میں خلیفہ ثانی حضرت عمر کے حکم سے اس کی بنیاد ڈالی۔ اس شہر کی تعمیر سے مقصد یہ تھا کہ یہ افواج اسلامی کا مرکز کا کام دے اس لئے دجلہ کے کنارے کی زمین پسند کی گئی اور اس کا نام بصرہ یعنی سفید پتھر، رکھا گیا۔ اس لئے کہ یہ ایسی زمین پر بنایا گیا تھا جو سفید پتھروں والی تھی۔ ابتدا میں اس کے مکانات بانس کے بنے تھے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ایک مسجد دھوپ میں خشک شدہ اینٹوں سے بنوائی تھی لیکن بعد میں بصرہ کی تعمیر دوبارہ ہوئی اور اسے پکی اینٹوں سے بنایا گیا۔ اور بہت جلد یہ شہر اسلامی تاریخ میں اہمیت حاصل کر گیا۔ ۵۰ھ میں اس کی آبادی تقریباً تین لاکھ تھی۔ عباسی دور میں بھی بصرہ نے بہت ترقی کی اور یہ عربوں کی بحری تجارت کا مرکز بن گیا۔

سلیمان اوّل کے حملہ کے بعد بصرہ ترکوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ (۹۴۱ھ / ۱۵۳۴ء) سترہویں صدی کے بعد وہاں ایک مضبوط شخص افراسیاب نامی ابھرا اور وہاں حاکم بن بیٹھا۔ اسی خاندان کے عہد میں پہلی مرتبہ بصرہ کی بندرگاہ یورپی تجارت کے لئے کھولی گئی۔

پہلی مرتبہ پرتگالی تاجروں کو اجازت دی گئی اور پھر ہالینڈی اور برطانوی تاجروں کے لئے اجازت ہوئی۔ بصرہ کے مستقل حاکموں میں آخری حاکم حسین نے ترکوں کے خلاف فارس والوں کی حمایت حاصل کی اس وقت سے ترکوں اور اہل فارس کی طویل جھگڑے کی ابتدا ہوئی۔ تاآنکہ ترکوں نے ۱۷۷۹ء میں اس پر قبضہ کر لیا۔

اس وقت شہر کے دو حصے ہیں۔ ایک بصرہ اور دوسرا عشار۔ عشار میں جدید بازار اور عمارتیں ہیں۔ یہ حصہ دجلہ کے قریب ہے۔ بصرہ کی اہم برآمدات میں سے کھجور ہے جو لاکھوں ٹن سالانہ برآمد کی جاتی ہے۔ یہاں کے باشندے بہت ملنسار ہیں۔ عبدالکریم قاسم کے عہد میں معقل کی بندرگاہ کے قریب ایک عمدہ اور وسیع باغ بنایا گیا جو شہر کی بہترین تفریح گاہ ہے۔ مذہبی اور قومی تہواروں پر یہاں ایک میلہ سا لگ جاتا ہے اور باغ کو برقی قمقموں سے خوب سجایا جاتا ہے غرض بصرہ میں قدیم تہذیب بھی موجود ہے اور جدید تہذیب بھی۔ یہاں جبہ اور عقال کے ساتھ انگریزی لباس بھی رائج ہے۔ عورتوں کا لباس یورپین ہے ان میں سے جو پردہ کرتی ہیں وہ ایک سیاہ چادر اوپر سے اوڑھ لیتی ہیں۔

۲۲ اپریل کو بصرہ میں قیام کے چھٹے دن دوارکا جہاز سے کراچی روانہ روانہ ہوگئے راستے میں خرم شہر، آبادان کی بندرگاہیں آئیں یہ دونوں بندرگاہ دجلہ پر بنی ہوئی ہیں۔ راستہ میں دجلہ کے دونوں کناروں پر باغات ہیں۔ جہاں حد نگاہ تک درخت ہی درخت نظر آتے ہیں صبح سویرے آنکھ کھلی تو کھلے سمندر میں جہاز پہنچ گیا تھا۔ سات بجے کویت پہنچا۔ دو پہر کو کویت سے روانہ ہوئے اور بحرین دوبئی۔ مسقط۔ گوادر سے ہوتے ہوئے ۲۸ اپریل بروز بدھ دوپہر کو کراچی پہنچا جہاز کا پورا سفر خوشگوار گزرا۔ اس طرح پورے سفر میں کوئی ۳۴ دن صرف ہوئے۔